ڈاکٹرمظہرمحمود شیرانی اور شیخوپورہ میں تحقیق کی روایت

محمد نعیم عطا[1]

Abstract:

"Research aims at exploring facts. It always looks forward to the better contribution to existing material. Thus it causes the evolution of human thinking. In Urdu literature tradition of research is not too old. Preliminary specimen of research are obsereved in "Tazkaras" in their raw form. The research consciousness in its refined form is evident in Muhammad Hussain Azad's master piece "Aab-e-Hayat". Dr. Woolner embarked on research on modern western pattern in Lahore. Hafiz Mehmood Shirani is acknowledged to be the pioneer of research in Urdu.

Relating to research in Urdu, a great literary figure Dr. Mazhar Mehmood Shirani resides in Sheikhupura. He has extended the great research traditions of his grandfather, Hafiz Mehmood Shirani. His glowing literary work has further been enlightened by the researchers like Dr. Syed Sultan Mehmood Hussain, Dr. Haroon Qadir, Dr. Ashfaq Ahmad Virk, Dr. Khalid Nadeem, Dr. Jawaz Jafery and Dr. Sadaf Bukhari etc. Activities relating to research and editing in Sheikhupura will be analysed briefly."

اردو میں تحقیق و تدوین کے فن کو اس کے مسلمہ اصولوں کے مطابق استوار کرنے میں انگریزی ادب کا کردار کلیدی نظر آتا ہے۔ اس سلسلے میں دبستان لاہور کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ اس دبستان کے بنیاد گزاروں میں ڈاکٹر وولنر کا نام سرفہرست ہے ۔جنھوں نے تحقیق کے عالمی اصولوں سے اردو تحقیق کو آشنا کیا۔ اس سے پہلے اردو میں محض تذکروں کی روایت ملتی ہے اور تذکروں کا فن تحقیق کے مجوزہ معیارات پر پورا نہیں اترتا لیکن اس کے باوجود ان تذکروں کی بنیادی ماخذ تک رسائی کے عمل میں جواہمیت ہے اسے ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کی مدد سے ہمیں اپنی ادبی اور تہذیبی تاریخ کے اہم نشانات دستیاب ہوتے ہیں۔ اردو میں تذکرہ نگاری کا یہ سلسلہ میر تقی میر کے ''نکات الشعرا'' سے شروع ہو کر مولانا محمد حسین آزاد کی۔''آبِ حیات ''پر ختم ہوتاہے۔

> ''نکات الشعرا سے آب ِ حیات تک کوئی ستر کے لگ بھگ تذکرے لکھے گئےتذکروں کے اس طویل سلسلے کی اہمیت یہ ہے کہ ان میں تحقیق کے لیے مواد مل سکتا ہے یعنی انھیں مآخذ و منابع کی حیثیت حاصل ہے۔''(۱)

ان تذکروں میں شامل واقعات اور حقائق کو کسی طور مستند تسلیم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان میں شاعرانہ فسانہ طرازی اور حسن بیان کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور ان میں بیان کئے گئے واقعات کی جانچ پڑتال کا کام تحقیقی و تدوینی اصولوں کے تحت نہیں کیا گیا۔ یہاں تک کہ ان ستر کے قریب تذکروں میں کوئی ایک مثال بھی ایسی نظر نہیں آتی جسے مستثنیات کی فہرست میں جگہ دے سکیں۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں بعض علمی ادارے قائم ہوئے مگر ان اداروں کو اور ان کی خدمات کو ہم تحقیق کے زمرے میں شمار نہیں کر سکتے، مگر ان اداروں کی ایک بنیادی خدمت کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے کہ ان کے باعث علمی موضوعات پر کام کا آغاز ہوا اور نئے علوم پر غور وفکر ہونے لگا۔

---

[1] پی ایچ ڈی، اردو سکالر، منہاج یونیورسٹی لاہور

انیسویں صدی کے نصف اول یعنی ۱۸۴۷ء میں سرسید احمد خاں کی معروف تصنیف "آثار الصنادید" شائع ہوئی یہ اردو کی پہلی کتاب ہے جسے ہم تحقیق کا ایک اچھا نمونہ قرار دے سکتے ہیں۔ تاہم اس کا موضوع ادب نہیں بلکہ تاریخ اور آثارِ قدیمہ ہے۔ اس کے بعد انیسویں صدی کے نصف آخر میں اردو ادب کے عناصرِ ثلاثہ حالیؒ ، شبلیؒ اور آزادؔ کی تحقیقی کاوشیں منظر عام پر آنے لگیں۔ مولانا حالی کی تالیفات میں تحقیقی اعتبار سے حیاتِ سعدی (۱۸۸۲ء) کا درجہ افضل ہے جب کہ ''یادگارِ غالب'' اور ''حیاتِ جاوید'' میں محبت و عقیدت کے نمایاں عنصر کے باعث ان پر مدلّل مداحی اور کذب و افترا کے الزامات لگے۔ مولانا آزاد کی آب حیات کی اہمیت کا اصل زاویہ اس کا دلکش اور یادگار اسلوب ہے۔ مگر تحقیقی مطالعے میں اس کے مندرجات میں غیر معمولی نقائص نظر آتے ہیں۔ جن کی نشاندہی حافظ محمود شیرانی نے تنقید آب حیات میں کی ہے ۔

علامہ شبلی نعمانی کی علمی کاوشوں کا تسلسل دارالمصنفین اعظم گڑھ کی شکل میں دکھائی دیتا ہے ۔ یہ ادارہ مسلسل ڈیڑھ صدی تک سرگرم عمل رہا اور مولانا عبدالسلام ندوی کی ''شعر الہند'' مولانا عبدالحیٔ کی "گلِ رعنا" دراصل "شعرالعجم" کی طرز پر لکھی گئیں اردو ادب کی تاریخیں ہیں۔ مگر ان میں بھی تحقیق کا کوئی قابل ذکر نمونہ پیش نہیں کیا گیا لیکن مولانا سیدسلمان ندوی کی تالیف''خیام'' تحقیقی اعتبار سے ایک قابلِ ذکر کوشش قرار دی جاسکتی ہے۔

''اعظم گڑھ کے علاوہ اردو کا ایک اہم تحقیقی مرکز حیدر آباد (دکن) تھا۔ جہاں ڈاکٹر محی الدین قادری، سید محمد، ڈاکٹر عبدالقادرسروری، نصیر الدین ہاشمی اور حکیم شمس اللہ قادری وغیرہ اصحاب علمی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ ان حضرات نے اردو کے لسانی ارتقا کا جائزہ لیا، قدیم دکنی شعرا اور مصنفین کو متعارف کرایا اور دکنی تصنیفات کے متن شائع کیے۔''(۲)

تحقیق کا دوسرا اہم مرکز انجمن ترقی اردو (ہند) بھی دکن کے شہر اورنگ آباد میں بنا۔ اس کے سربراہ مولوی عبدالحق بنے اس کی توجہ کا مرکز بھی دکنی ادب ہی قرار پایا۔ اس نے کئی محاذوں پر اردو کے لیے اس کثیر الجہاتی کام کی وجہ سے انجمن کو وہ یکسوئی نصیب نہ ہو سکی جس کی تحقیق کے فن کو ضرورت ہوتی ہے ان عوامل کے باوجود دکنی ادب کی تحقیق کے زمرے میں مولوی صاحب کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

لاہور کو اردو تحقیق کا ایک اہم اور سب سے معتبر مرکز قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس مرکز کی علمی روایت انجمن پنجاب سے نمو پذیر ہوتی ہے اور غزنوی عہد کے ادبی مرکز کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہے۔ دراصل اس عہد کے اہل علم و دانش لاہور کی صدیوں پرانی علمی و ادبی روایت کے امین ہیں۔ جو مسعود سعد سلمان جیسے شعرا نے قائم کی۔ تحقیق کا فن، اس کے اصول و ضوابط اور طریقہ کار انگریزی ادب سے مستعار تھا اور اس کو اپنی حقیقی روح کے مطابق اپنانے کے لئے ضروری تھا کہ ایسے لوگ اس میدان میں آئیں جو انگریزی ادب کے تحقیقی اصولوں سے پوری طرح واقف ہوں۔ اس سلسلے میں پروفیسر وولنر کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ یہ امر اپنی جگہ اہم ہے کہ لاہور میں جدیدیا مغربی طرز تحقیق کا آغاز سنسکرت زبان سے ہوا اور بعد ازاں فارسی اور اردو کو مرکز نگاہ بنایا گیا ۔ مشرقی علوم کے ادارے اورینٹل کالج اور گورنمنٹ کالج نے اس سلسلے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ بقول ڈاکٹر وحید قریشی:

''دبستانِ لاہور کی تحقیقی روایت حزم و احتیاط کا اچھوتا معیار پیش کرتی ہے۔ فراموش شدہ مصنفین کے حالات کی تلاش، عام اور مسلمہ ادبی مفروضوں کی بے رحمانہ چھان بین، تمام معلومہ مواد کو جرح و تعدیل کی کسوٹی پر کسنا، حوالے کے قلم بند کرنے میں کامل احتیاط اس گروہ کا امتیازی کارنامہ ہے یہ لوگ معیار پر بہت زور دیتے تھے۔ سہل نگاری اور صحافتی انداز بیان انھیں ناپسند تھا۔ ''(۳)

تحقیق کے دبستانِ لاہور کے قافلہ کے سالار حافظ محمود شیرانی، مولوی محمد شفیع اور پروفیسر شیخ محمد اقبال تھے۔ بعدازاں اس قافلے میں ڈاکٹر سید عبداللہ، سید وقار عظیم، ڈاکٹر عبادت بریلوی، ڈاکٹر وحید قریشی، شیخ محمد اکرام، ڈاکٹر جمیل جالبی، رشید حسن خاں، مشفق خواجہ اور ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی جیسے قدآور لوگ شامل ہوئے اور اس کے علمی اعتبار میں اضافہ کیا۔ اس دبستان میں بہت سے ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو مکانی اعتبار سے لاہور سے دور ہیں مگر

فکری اور تکنیکی اعتبار سے دبستان لاہور کے نمائندہ نظر آتے ہیں جسے رشید حسن خاں (انڈیا) ڈاکٹر جمیل جالبی (کراچی)، اور مشفق خواجہ (کراچی) کے نام مثال کے لیے پیش کیے جاسکتے ہیں۔

شیخوپورہ میں تحقیق و تدوین کی روایت کے سرخیل ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی (پ ۱۹۳۵ء) ہیں۔ اُنھی کی مساعی جمیلہ سے یہاں تحقیقی کا سلسلہ آغاز ہوا جو آہستہ آہستہ ایک پوری روایت کی شکل اختیار کر گیا۔ چونکہ فاضل محقق کا تعلق دبستان لاہور کے ساتھ ہے اس لیے ہم شیخوپورہ میں تحقیق کی اس روایت کو بھی اسی تناظر میں بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انھوں نے دبستان لاہور کے بیشتر ادبی نشانات کو تحقیق کی چھلنی سے گزار کر ان کا حقیقی مقام و مرتبہ متعین کرنے کا بنیادی کام کیا ہے اور اس میں موجود اعلیٰ فن پاروں کی نشان دہی کی ہے۔ حافظ محمود شیرانی کے علمی آثار کی دس ضخیم جلدوں میں تدوین بذاتِ خود ایک ایسا کارنامہ ہے، جسے تادیر یاد رکھا جائے گا۔ ان مقالات پر حواشی و تعلیقات کا کام ایسا سہل نہیں تھا اس کے لیے علم عروض، علم بیان، صرف و نحو، تاریخ، جغرافیہ اور علم موسیقی سے کامل واقفیت بنیادی قابلیت قرار پائی ہے۔ ان مقالات کے حواشی پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے ہی ہمیں علم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی نے اپنے دادا کی علمی روایت کے تسلسل کو کس کامیابی سے قائم رکھا ہے۔

ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی نے ڈاکٹر وحید قریشی کی نگرانی میں انھیں کی خواہش پر حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات پر پی ایچ ڈی کے مقالے کا ۱۹۷۹ء میں آغاز کیا اور کم و بیش پانچ برس کی شبانہ روز محنت کے بعد اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ یہ مقالہ جون ۱۹۹۳ء میں کتابی صورت میں مجلس ترقی ادب لاہور نے شائع کیا مقالہ کی ضخامت کے پیش نظر اسے دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑا۔ اس کی جلد اول کی اشاعت کو بے حد سراہا گیا۔ مشفق خواجہ نے لکھا:

> ’’صبح کی ڈاک سے یہ کتاب ملی اور آج کا دن اس کی ورق گردانی میں گزرا، بالاستیعاب مطالعہ اگلے چند روز میں کروں گا۔ میرا فوری تاثر یہ ہے کہ ایک بڑے محقق پر یہ کتاب بذاتِ خود ادبی تحقیق کا بہترین نمونہ ہے آپ سے ایسے ہی کام کی توقع تھی۔‘‘(۴)

معروف محقق ڈاکٹر اسلم فرخی نے اس مقالہ کے حوالے سے ایک خط میں لکھا:

> ’’آپ کا ارسال کردہ تحفہ’’حافظ محمود شیرانی کی علمی ادبی خدمات ‘‘ نظر نواز ہوا۔ ماشاء اللہ تحقیق کا پورا حق ادا کیا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دادا کو جس علمی اور تحقیقی لگن سے بہرہ ور کیا تھا پوتے نے دریافت اور شوق سے اسے درجہ کمال تک پہنچادیا۔‘‘(۵)

تحقیق و تدوین کے فن میں ڈاکٹر عطش درانی کو ایک خاص مقام مرتبہ حاصل ہے اس فن پر نہ صرف ان کو کامل دسترس حاصل ہے بلکہ اس میدان میں ہونے والے کام سے بخوبی آگاہ ہیں۔ جلد اول کی اشاعت پر انھوں نے اپنے تبصرہ میں لکھا:

’’یہ موضوع اور کام اتنا ہمہ گیر، دقت طلب، صبرآزما، طویل اور کٹھن ہے اور ڈاکٹر صاحب اس سے جس طرح نبرد آزماہوئے ہیں یہ انھی کا حصہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب حافظ شیرانی کے کاموں کا جائزہ لینے کے لیے اس سے قبل اور بعد کے دیگر کاموں کو بھی اس طرح سامنے لائے ہیں کہ اس سے تصویر اپنے پورے تناظر میں واضح ہونے لگی ہے۔ اس سارے عمل میں وہ بحث اور انتقاد کو مربوط رکھنے میں کامیاب رہے ہیں۔‘‘ (۶)

مقالہ کی پہلی جلد کی اشاعت نے تحقیق و تدوین کے اساتذہ اور طلبہ کو اس کام کی طرف متوجہ کیا اور اسے زبردست پذیرائی ملی یہ اپنی نوعیت کا اعلیٰ کام تھا اس لیے دوسری جلد کی اشاعت کے اہل علم و فن منتظرتھے۔ پہلی جلد کی اشاعت کے دو سال بعد جون ۱۹۹۵ء میں اس کی دوسری جلد شائع ہوئی اور اس کا بھی اہل ادب و فن نے کھلے بازوؤں سے استقبال کیا۔ مشفق خواجہ نے لکھا:

’’برصغیر میں اردو و فارسی کے حوالے سے جو مقالے لکھے گئے ان میں سے شائع شدہ تقریباً تمام اور غیر مطبوعہ بھی متعدد، میری نظر سے گزرے ہیں۔ میں بلا خوفِ تردید کہہ سکتا ہوں کہ ایسا کوئی دوسرا مقالہ میری نظر سے نہیں گزرا۔‘‘(۷)

ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی نے مقالہ کی ابواب بندی سے لے کر منفرد اسلوب اور طرزِ استدلال کے ذریعے اسے ایک تحقیقی شاہکار بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کام کی داد تحقیق کے ایسے زعما نے دی ہے جن کا نام اس فن کے میدان میں مستند مانا جاتا ہے۔ انھوں نے اس کام کی افادیت کو واضح الفاظ میں تسلیم کیا ہے۔ ڈاکٹر مختارالدین احمد تحقیق کے میدان میں مستند و معتبر حوالہ ہیں وہ اس مقالہ کی بابت لکھتے ہیں:

’’پچھلے ہفتے شیرانی مرحوم پر آپ کے گراں قدر مقالے کی دوسری جلد مجلس ترقی ادب لاہور سے موصول ہوئی۔ میں علیل تھا۔ لیکن پوری کتاب دو راتوں میں ختم کر لی۔ جزاک اللہ، بڑا اہم اور مہتم بالشان کام آپ نے کیا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کی جامعات میں کم مقالے اس معیار کے لکھے گئے ہوں گے۔‘‘(۸)

فاضل مقالہ نگار نے کسی بھی جگہ قلم برداشتہ نہیں لکھا بلکہ ہر مقام پر مکمل دلائل کے ساتھ اپنا نقطہ نظر پیش کیاہے۔ انھوں نے حافظ صاحب کے اسلوبِ بیان کے بارے میں قاری کی مکمل رہنمائی کی ہے اور اسلوب کے مجموعی اجزائے ترکیبی کو بیان کرنے کے بعد حافظ صاحب کے اسلوب کے نمایاں اوصاف کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے اہل یونان کے تصورات اور نظریات کے عمیق مطالعے کے بعد اسلوب کا تعلق اور واسطہ تین چیزوں کے ساتھ ظاہر کیا ہے۔

’’(۱)لسانی اعتبار سے زبان و بیان کے ساتھ (۲) علمی اعتبار سے افکار و خیالات کے ساتھ (۳) نفسیاتی اعتبار سے مصنف کی شخصیت اور کردار کے ساتھ ان تین حوالوں کے ساتھ ساتھ ہم ایک اور پہلو کا اضافہ بھی کر سکتے ہیں یعنی (۴) فنی اعتبار سے اسلوب کا مطالعہ۔‘‘(۹)

ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی نے اپنے مقالہ میں حافظ محمود شیرانی کے اسلوب نگارش پر پورا ایک باب قائم کیا ہے۔ اس میں ان کے اسلوب پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔

’’اس حقیقت کی طرف کسی کا ذہن منعطف نہیں ہوا کہ ان کا اسلوب تحقیقی و تنقیدی نگارشات کے لیے موزوں ترین نمونہ فراہم کرتا ہے۔ ان کی زبان معیاری ہے، بیان میں کوئی ابہام نہیں، سلاست، نفاست، شستگی، قطعیت اور لطافت ان کے اسلوب کی مستقل خوبیاں ہیں۔‘‘(۱۰)

حافظ محمود شیرانی کی قائم کردہ علمی روایت میں سے ایک اہم روایت تنقید ’’شعرا لعجم‘‘ اور تنقید ’’آبِ حیات‘‘ کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی نے اس روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے محمد اکرم چغتائی کی مرتبہ ’’گزشتہ لکھنؤ‘‘ کے حوالے سے ایک معرکہ آرا تحریر علومِ شرقیہ کے مجلہ ’’تحقیق‘‘ میں شائع کروائی۔ اس کا انداز تحریر اور طرز استدلال حافظ محمود شیرانی کی یاد دلاتا ہے۔ ۷۵ صفحات پر مشتمل یہ تحریر فاضل محقق کے تبحر علمی کا بین ثبوت ہے۔ اس مقالہ کے حوالے سے ڈاکٹر انور سدید نے لکھا ہے۔

’’ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی کا یہ مقالہ محمد اکرام چغتائی صاحب کی تحقیق کو تنقیدی اور تحقیقی نظر سے دیکھنے کی کاوش ہے جو یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچاتی ہے کہ چغتائی صاحب نے یہ کام جس بے نیازی اور غیر ذمہ داری سے کیا ہے اس کی توقع تحقیق و تدوین کے ادنیٰ طالب علم سے بھی نہیں کی جاسکتی۔‘‘(۱۱)

شیخوپورہ میں تحقیق و تدوین کے حوالے سے ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین (پ۱۹۳۶ء) بھی ایک اہم شخصیت کے طور پر نظر آتے ہیں ان کا کام مختلف علمی و ادبی شعبوں پر محیط ہے۔ انھوں نے پسرور، رائے ونڈ اور شیخوپورہ کی تاریخیں مرتب کیں، گورنمنٹ کالج لاہور کی صد سالہ تاریخ پر قلم اٹھایا اور اقبالیات کے موضوع پر بیش قدر کام کیا۔ شمس العلماء مولوی سید میر حسن (حیات و افکار) اقبال اکادمی لاہور نے شائع کی۔‘‘ تعلیقات خطبات گارساں دتاسی’’ کے موضوع پر سندھ یونیورسٹی حیدر آباد سے ڈاکٹر سید سخی احمد ہاشمی کی زیرنگرانی پی ایچ ڈی کی سطح کا تحقیقی کام کیا۔ یہ مقالہ دسمبر ۱۹۸۷ء میں مجلس ترقی ادب لاہور نے کتابی صورت میں شائع

کیا۔ ان کی دیگر تصنیفات "اردو کی نثری تاریخ میں سرسید کا مقام"، "یورپ میں اردو کے مراکز"،"اقبال کی ابتدائی زندگی "اور تذکارِ محمود" شامل ہیں۔

ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ "تعلیقات خطباتِ گارساں د تاسی'' کی اہمیت ان کے ادبی کام میں سب سے زیادہ ہے۔ اس مقالے کی مدد سے ہمیں فرانس کے اس مستشرق کے بارے میں اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ گارساں د تاسی نے ۲ ستمبر ۱۸۷۸ء کو وفات پائی۔ ۱۸۲۲ء سے ۱۸۷۷ء تک یعنی۵۲ برس تک اس نے ادبی خدمات انجام دیں وہ عربی، فارسی، ترکی اردو اور ہندی زبانیں جانتا تھا اور ان میں اچھی قابلیت بھی رکھتا تھا۔ اس نے ان زبانوں میں اور ان زبانوں سے متعلق لکھی ہوئی کتب پر بڑے فاضلانہ تبصرے کیے، تجزیے اور تراجم کیے اور غیر مطبوعہ نسخوں کی مدد سے صحیح نسخے مرتب کیے۔ اس کا ادبی میدان بڑا وسیع ہے، مذہب، معاشرت، سیاست، سائنس، علم و ادب غرض یہ کہ ہر موضوع پر اس نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے خصوصاً اردو زبان کی حمایت میں نڈر اور بے باک ہو کر لکھا۔ ڈاکٹر سیدہ ثریا حسن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اپنی تحقیقی مقالہ میں گارساں د تاسی کی۱۵۵ کتب یا مقالات کا کھوج لگایا ہے جبکہ ڈاکٹر حمید اللہ حال مقیم پیرس نے اپنی تحقیق کی بدولت اس تعداد میں ۲ مزید کتب اضافہ کیں۔

ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین نے گارساں د تاسی کے انیس خطبات کے حواشی و تعلیقات لکھے ہیں۔ ان خطبات میں جن شخصیات، اخبارات، رسائل، کتب اور دیگر تاریخی حوالوں کا ذکر ہے ان کی تفہیم عام قاری تو کجا پڑھے لکھے قارئین کے لیے بھی مشکل ہے فاضل محقق نے بڑی عرق ریزی اور وسیع مطالعہ سے حواشی لکھ کر گارساں د تاسی کی ادبی خدمات کی تفہیم کی راہیں کھول دی ہیں۔ مقالہ کے پیش لفظ میں ڈاکٹر غلام مصطفی خان لکھتے ہیں:

> ''یہ مقالہ بہت ضخیم اور بسیط تھا اور اس کی اشاعت ہمارے ملک کے محدود وسائل کی وجہ سے بہت مشکل تھی۔ تاہم اس کے حواشی اور تعلیقات اجمالی طور پر شائع کرنا ممکن ہوسکا۔ تاریخ ادب و ادبیات کے شائقین کے لیے اس کی اہمیت اور افادیت سے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے۔ مشک آنست کہ خود بگوید نہ کہ عطار بگوید۔''(۱۲)

گارساں د تاسی کے ۱۹ خطبات کے پُرمغز تعلیقات کے مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر سلطان محمود حسین نے اس کام کو انجام دینے کے لیے کس قدر عرق ریزی سے اور محنت سے کام لیا ہے۔ بے شمار کتب، رسائل، لغات اور انسائیکلوپیڈیا کا مطالعہ کیا۔ معلومات جو یہاں دستیاب نہ ہو سکیں۔ ان کے لیے بیرون ملک رابطے کیے۔ جن میں انھیں کامیابی بھی ملی تب جاکر وہ اپنی تحقیق کو مکمل کر سکے۔

ڈاکٹر محمد ہارون قادر (پ ۱۹۵۷ء) کا تعلق شیخوپورہ کے نواحی قصبہ فاروق آباد سے ہے۔ انھوں نے اپنا لڑکپن اور بچپن اسی قصبہ میں گزارا۔ ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۷ء تک گورنمنٹ کالج شیخوپورہ کے شعبہ اردو کے ساتھ وابستہ رہے۔ ایم فل کا مقالہ ''قیصر بارہوی کے مراثی کا تحقیقی مطالعہ'' ڈاکٹر سجاد باقر رضوی کی زیرنگرانی۱۹۹۱ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے مکمل کیا۔ جب کہ پی ایچ ڈی کا مقالہ ڈاکٹرنیّر صمدانی کی زیر نگرانی جی سی یونیورسٹی لاہور سے مکمل کیا۔ یہ یونیورسٹی ہذا کا پہلا تحقیقی کام ہے جس پر پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی گئی اس مقالہ کا موضوع خان احمد حسین خان شخصیت اور فن تھا۔ یہ مقالہ کتابی شکل میں۲۰۱۰ء میں شائع ہوا۔ اس کے بارے میں ڈاکٹر سعادت سعید لکھتے ہیں:

> ''جامعاتی تحقیق میں شخصیات کو موضوع بنانا ماضی میں پسند کیا جاتا تھا۔ حال میں نہیں، اس آخرالذکر رویے کو اعتدال پر لانے کے لیے بعض جامعات میں اب بھی شخصیات کو موضوع بنایا جاتا ہے۔ شعبہ اردو جی سی یونیورسٹی لاہور میں بھی زیادہ تر جدید موضوعات پر تحقیق کروائی جاتی ہے لیکن ماضی کی روایت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ ڈاکٹر محمد ہارون قادر کا پی ایچ ڈی کا مقالہ اس بات کی مثال ہے۔ جنھوں نے اردو کے ایک گم شدہ ادیب کو گردش زمانہ سے بازیاب کرایا ہے۔''(۱۳)

خان احمد حسین خان کی ادبی زندگی کے بارے میں اس مقالے سے علم ہوتا ہے کہ وہ علامہ اقبال کے ہم عصر تھے اور انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسوں میں نظمیں پڑھا کرتے تھے،

جن میں خطاب بہ سوئے انجمن حمایت اسلام، ہمارا قرآن، ہمارا خدا، میری قوم، نیرنگِ خیال، تصویر یتیمی اور یتیم خانہ وہ مشہور نظمیں ہیں جو رُوداد انجمن حمایت اسلام میں۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۷ء تک یکے بعد دیگرے شائع ہوئیں۔

سید نذیر نیازی نے اپنی کتاب''دانائے راز'' میں چند ایسے واقعات رقم کیے ہیں جن سے علم ہوتا ہے کہ ان کی رسائی علامہ اقبال کے ذاتی دوستوں تک تھی اور یہ ان کی محافل میں شریک ہوتے اور بعض اوقات شیخ عبدالقادر کے کہنے پر فی البدیہہ غزلیں بھی سنائیں۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ ایک ہی زمین میں علامہ اقبال اور خان احمدحسین نے طبع آزمائی بھی کی۔

خان احمد حسین خان نے''شباب اردو''کے نام سے ایک رسالہ بھی جاری کیا، جسے اپنے زمانے کے بہترین قلم کاروں کا تعاون حاصل تھا۔ حکیم احمد شجاع کا مشہور افسانہ ''آرام شاہ کی بیٹی'' اور خوشی محمد ناظر کی نظم''جوگی'' پہلی بار اس میں شائع ہوئی۔ جبکہ حفیظ جالندھری کا نام بھی پہلی مرتبہ نومبر ۱۹۲۰ء کے شمارے میں نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر محمد ہارون قادر نے آخر میں بڑے متوازن انداز میں خان احمد حسین خان کی ادبی حیثیت اور مقام و مرتبہ تعین کیا ہے اور تجزیہ و تنقید کے دوران اعتدال اور توازن کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ پروفیسر ڈاکٹر سعادت سعید نے اس پر بڑی متوازن رائے دی ہے۔

> ''ڈاکٹر محمد ہارون بڑے زندہ دل، مخلص، متحرک اور باعمل انسان ہیں انھوں نے جس محنت اور لگن سے یہ کارِ تحقیق انجام دیا ہے اس پر ان کی تحقیقی جستجو کا اندازہ بخوبی لگایاجاسکتا ہے اس میں انھوں نے بڑی علمی دیانت داری سے کام لیتے ہوئے خان احمد حسین خان کی کتابوں کا جائزہ لیا ہے اور ادبی تاریخ میں ان کے جائز مقام کا تعین کیا ہے۔''(۱۴)

ڈاکٹر اشفاق احمد ورک (پ ۱۹۶۳ء) مزاح نگاری میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں اس حوالے سے ان کا تحقیقی کام بھی نمایاں ہے۔ انھوں نے''تقسیم کے بعد اردو نثر میں طنز و مزاح'' کے موضوع پر ڈاکٹر تحسین فراقی کی زیرنگرانی پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کےلیے تحقیقی مقالہ تحریر کیا۔ ان کی مطبوعہ کتب میں قلمی دشمنی (طنز و مزاح) ، ذاتیات(طنز ومزاح) ، خاکہ نگری(طنز و مزاح) ، اردو نثر میں طنز و مزاح (تحقیق و تنقید) ، خودستائیاں (تحقیق و تنقید) ، محمد خالد اختر، شخصیت اور فن،شفیق الرحمن، شخصیت اور فن، غزل آباد(تحقیق و انتخاب)، منٹو اور مزاح (طنز و مزاح)خاکہ مستی، عطاء الحق قاسمی شخصیت اور فن اورمؤ قف (تنقیدی مضامین) ، نوعیت (تنقید)، جو اماں ملی تو کہاں ملی (سفرنامہ حجاز) اور عالم میں انتخاب (مشتاق احمد یوسفی کی تحریروں کا انتخاب اور مقدمہ) شامل ہیں۔

ڈاکٹر اشفاق احمد ورک نے اردو نثر میں طنز و مزاح کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور اس حوالے سے ان کا کام قابل تحسین ہے۔ انھوں نے اردو نثر کی تمام اصناف کا احاطہ کیا ہے اور ان میں موجود طنز و مزاح کے جوہر کو سامنے لے آئے ہیں۔

ان کے پی ایچ ڈی کے مقالہ کو کتابی شکل ملنے کے بعد اس کی تحسین ادب کی نامور شخصیات نے کی۔ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی کی رائے ملاحظہ فرمائیں:

> ''اشفاق احمد ورک نے اپنے موضوع کا بڑی محنت کے ساتھ احاطہ کیا ہے اور وسیع مطالعہ کرکے وافر معلومات فراہم کی ہیں۔ شائد ہی کوئی قابلِ ذکر مزاح نگار ہو گا جو ان سے نظر انداز ہوا ہو، یونیہ کتاب اردو نثر میں طنز و مزاح'' پر ایک قسم کا دائرہ المعارف بن گئی ہے۔''(۱۵)

مشفق خواجہ نے کتاب پڑھنے کے بعد ایک خط کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔''آپ نے پی ایچ ڈی کا مقالہ نہیں لکھا بلکہ پی ایچ ڈی کے مقالے لکھنے والوں کے لیے مثال قائم کی ہے۔'' (۱۶)

ڈاکٹر انور سدید نے اس کی اشاعت پر نوائے وقت لاہور کے سنڈے میگزین میں شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین کچھ یوں پیش کیا:

> ''یہ کتاب اردو نثر کی ابتدا سے زمانہ حال تک کی تاریخ کا احاطہ کرتی ہے اور خوبی کی بات یہ ہے کہ انھوں نے ممتاز اور نامور مصنفین کو ہی موضوع نہیں بنایا بلکہ معمولی اور

بعض گمنام مصنفین کو بھی تلاش کرکے اس تاریخی کتاب میں جگہ دی ہے۔ یہ کتاب سب سے پہلے مرعوب کرتی ہے لیکن کتاب کے نصف تک پہنچیں تو قاری اس کے مطالعہ سے مغلوب ہوجاتا ہے۔''(۱۷)

ڈاکٹر خالد ندیم (پ ۱۹۶۳ء) نے اپنے تحقیقی کام کی ابتدا ''اختر حسین رائے پوری حیات و خدمات''سے کی۔ پی ایچ ڈی سطح کے اس مقالہ کی تکمیل سے پہلے ان کی کتاب''میر سے فیض تک'' ۱۹۹۹ء میں شائع ہو چکی تھی جس میں میر، غالب، اقبال اور فیض کے کلام میں موجود شخصی تلمیحات کو موضوعات بنایا گیا تھا۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی زیرنگرانی پی ایچ ڈی کے مقالے کی تکمیل کے بعد ان کا رجحان ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی طرح اقبالیات کی طرف ہو گیا اور ترتیب و تدوین پر مبنی کام سامنے آنے لگا۔ ان کی تصانیف میں اختر حسین رائے پوری، حیات و خدمات (۲۰۰۹ء) مکاتیب ابن فرید، مقدمہ، حواشی و تعلیقات (۲۰۱۰ء) اقبالیاتی مکاتیب مقدمہ و حواشی (۲۰۱۳ء) ارمغان ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (۲۰۱۳ء) شبلی کی آب بیتی (۲۰۱۷ء) اور غالب کی آپ بیتی (۲۰۱۸ء) زیادہ اہمیت کی حامل ہیں۔

ڈاکٹر خالد ندیم کی بیش قدر تحقیقی کتب کے علاوہ ان کے مقالات کی بھی معقول تعداد موجود ہے جو ایچ ای سی کے منظور کردہ تحقیقی مجلوں میں اشاعت پذیر ہوئے ہیں۔ ان میں اکثریت کا تعلق اقبال فہمی کے ساتھ ہے اور وہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے کام کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ اس میدان میں کام کی گنجائش بہرحال موجود ہے بقول رشید حسن خاں ''ہم کو فراخ دلی کے ساتھ یہ بات مان لینا چاہیے کہ کلامِ اقبال کا کوئی ایسا مجموعہ اب تک مرتب نہیں ہوسکا، جسے اصولِ تدوین کے مطابق معیاری اور مثالی کہا جاسکے۔''(۱۸)

ڈاکٹر جواز جعفری (پ ۱۹۶۴ء) نے ڈاکٹر سہیل احمد خاں کی نگرانی میں ''اردو ادب یورپ اور امریکہ میں'' کے موضوع پر پی ایچ ڈی کا مقالہ مکمل کیا۔ ان دنوں گورنمنٹ کالج آف سائنس وحدت روڈ کے شعبہ اردو میں پروفیسر کے عہدے پر فائز ہیں اوراردو ادب کی تدریس میں مصروف ہیں۔ ان کی شائع ہونے والی کتب میں دہلیز پہ آنکھیں (شاعری) اثاثہ، اقبال ساجد (مقدمہ و تدوین) ، موت کا ہاتھ کلائی پر (نثری نظمیں)، اردو ادب یورپ اور امریکہ میں (۲۰۱۰ء)، خاک سے اٹھنے والا فن (تنقید)، تصورات (تنقیدی مضامین) ، اردو غزل کا مغربی دریچہ (تنقید) اور اردو افسانے کا مغربی دریچہ (تنقید) بطور خاص اہم ہیں۔

''اردو ادب یورپ اور امریکہ میں'' اس لحاظ سے ایک اہم مطالعہ ہے کہ اس سے یورپ اور امریکہ کے ساتھ اردو کے لسانی رابطوں کے پس منظر سے آگاہی ہوتی ہے اور تارکینِ وطن کے احساسات اور ادب پر ان کے اثرات کا پتہ چلتا ہے۔ ڈاکٹر جواز جعفری نے اس حوالے سے خاصی محنت اور باریک بینی سے کام کیا ہے۔ کتاب کے دوسرے باب میں فاضل محقق نے اردو زبان کے ان نامور مستشرقین کی تلاش کی سعی کی ہے۔ جو اردو زبان کے گرویدہ تھے انھوں نے نہ صرف برصغیر بلکہ یورپ کے مختلف ممالک میں اردو زبان و ادب کی ترقی کے لیے شبانہ روز محنت کی۔ اس ضمن میں انھوں نے پچاس کے لگ بھگ ایسے مستشرقین کے نام ان کے کام سمیت گنوائے ہیں جنھوں نے اپنی زندگیاں اردو کے لیے وقف کر دیں۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر گلکرائسٹ کا نام سرفہرست ہے۔ جو پیشہ کے اعتبار سے تو ڈاکٹر تھے لیکن ان کی شہرت اردو زبان و ادب کے فروغ کے سلسلے میں ہوئی بقول حامد حسن قادری :

''ڈاکٹر گلکرائسٹ کا اردو پر کتنا احسان ہے کہ انھوں نے سب سے پہلا لٹریچر گویا ایجاد کیا۔ ہندوستان کے باعلم لوگوں کو جمع کیا اور کتابیں لکھوائیں۔ گلکرائسٹ صرف چار سال اس کالج میں رہے لیکن ان کا شروع کیا ہوا کام جاری رہا۔''(۱۹)

ڈاکٹر جواز جعفری نے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے کے لیے اس قدر محنت سے کام لیا ہے کہ اس تفصیلی مطالعہ اور تحقیق کے ذیلی عنوانات اپنی جگہ پر مکمل مطالعات اور مقالات قرار پا سکتے ہیں۔''اردو غزل کا مغربی دریچہ'' اور ''اردو افسانے کا مغربی دریچہ'' کتابی شکل میں آچکی ہیں۔ جبکہ ان کے تنقیدی مجموعوں''تصورات'' اور ''خاک سے اٹھنے والا فن'' میں بھی اسی مطالعہ سے جڑے دس عدد مضامین شامل ہیں۔ جہاں تک ان کے تحقیقی و تنقیدی شعور کا تعلق

ہے تو اس کے عمدہ مظاہر ان کے سندی مقالے میں بھی جابجا نظر آتے ہیں اور تنقیدی و تحقیقی مضامین میں بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔

ڈاکٹر صدف بخاری (۱۹۷۴ء - ۲۰۱۶ء) نے ڈاکٹر سہیل احمد خاں کی زیرنگرانی جی سی یونیورسٹی لاہور سے ایم فل کا مقالہ ''فراق گورکھپوری رجحان ساز غزل گو'' تحریر کیا جبکہ ڈاکٹریٹ کا مقالہ جدید''شعری طرز احساس اور منیر نیازی کی انفرادیت'' ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی زیرنگرانی۲۰۱۲ء میں مکمل کیا۔

ڈاکٹر صدف بخاری خود بھی شاعرہ تھیں اور ان کا فطری میلان بھی اسی طرف تھا اسی لیے انھوں نے تحقیق کے لیے فراق گورکھپوری اور منیر نیازی کو منتخب کیا اور ان کے فن پر سیر حاصل گفتگو کی۔ ان انفرادی مطالعات میں انھوں نے جن نکات کو نمایاں کیا ہے ان پر غور سے ان کے ہاں پائے جانے والے گہرے مطالعے کا علم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر عمارہ طارق نے ڈاکٹر تحسین فراقی کی زیرنگرانی ''اردو افسانے میں جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کے مظاہر'' کے زیرعنوان پی ایچ ڈی کا مقالہ تحریر کیا۔ انھوں نے اردو کے کم و بیش تمام اہم افسانہ نگاروں کے فن کا اس حوالے سے جائزہ لیا ہے اور ان معاشی نظاموں کے پیدا کردہ مسائل کو مختلف اندازمیں موضوع بنایا ہے۔ اس کے ذیلی مطالعہ میں اردو افسانے کے تکنیکی سفر سے بھی آشنائی حاصل ہوتی ہے۔ اس مقالہ کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اردو افسانہ نگاروں نے ہماری سیاسی و سماجی تاریخ کی ہر کروٹ پر اپنے تخلیقی رد عمل کا اظہار کیا ہے۔ بقول صبا اکرام:

> '' تاحال جدید افسانہ نگاروں کی جانب سے اس سلسلے میں کوتاہی نہیں برتی گئی اور انھوں نے اپنے فن کے سفید دامن کو سرخ، سبز یا کیسری رنگوں سے سجاتے ہوئے فن سے اپنی کمٹ منٹ کو برقرار رکھا ہے اور صنعتی تیز رفتاری کے نتیجے میں سامنے آنے والے سوالات کو فنکارانہ انداز میں پیش کر دیا ہے۔ ''(۲۰)

ایم فل کی سطح پر لکھے گئے غیر مطبوعہ مقالات میں پروفیسر محمد اکرم سعید (پ ۱۹۴۹ء) کا مقالہ ارشد میر، حیات و فن، ماضی کے ایک نامور انشائیہ نگار کے فن سے متعارف کراتا ہے۔ یہ مقالہ اس لئے بھی اہم ہے کہ یہ کام ڈاکٹر وحید قریشی جیسی بڑی شخصیت کی نگرانی میں مکمل ہوا۔

فریال ظفر (پ۱۹۶۴ء) نے ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین کی نگرانی میں ''اقبالیات چودھری محمد حسین'' کے موضوع پر ایم فل کا مقالہ تحریر کیا۔ اس شخصیت کا تعلق پسرور کے ساتھ تھا اور علامہ اقبال کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات بھی تھے۔

رانا محمد یعقوب (۱۹۷۷ء) نے ڈاکٹر عبدالکریم خالد کی زیرنگرانی ''آگ کا دریا ''، ''اداس نسلیں'' اور ''خدا کی بستی کے نسوانی کرداروں کا نفسیاتی مطالعہ'' کے عنوان سے ایم فل کا مقالہ تحریر کیایہ اردو ناول کے کرداری مطالعات میں اہم اضافہ ہے۔

فرحان نذیر (۱۹۸۰ء) نے بھی ڈاکٹر عبدالکریم خالد کی زیرنگرانی ''راجندر سنگھ بیدی اور انتظار حسین کے افسانوی میں دیومالائی عناصر'' کے موضوع پر ایم فل کا مقالہ تحریر کیا۔ اسے ہم بیدی اور انتظار حسین کے افسانوں کا ایک منفرد مطالعہ قرار دے سکتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد اکرم سرا (۱۹۷۲ء) نے ''نقوش میں مطبوعہ طنزیہ اور مزاحیہ تحریروں کا جائزہ'' کے زیر عنوان ڈاکٹر شفیق عجمی کی زیر نگرانی ایم فل ۲۰۰۹ء میں مکمل کیا اور۲۰۱۷ء میں پی ایچ ڈی''جدید اردو نظم میں تصور بیگانگی'' کے موضوع پر مکمل کی ۔ یہ دونوں مطالعات فاضل محقق کی عرق ریزی اور محنت کا عکس ہیں۔

محمد عدنان نے ڈاکٹر ہارون قادر کی زیرنگرانی ''زبیدہ سلطانہ کی ناول نگاری'' کو موضوع بنایا۔ زبیدہ سلطانہ، خان احمد حسین خاں کی صاحبزادی تھیں جن کے فن پر ڈاکٹر ہارون قادر نے پی ایچ ڈی کی سطح کا کام کیا ہے۔ گویا یہ کام بھی دراصل ہارون قادر کے تحقیقی کام ہی کا ایک حصہ ہے جسے ان کی نگرانی میں محمد عدنان نے ۲۰۱۰ء میں اس مقالے کو مکمل کیا۔زبیدہ سلطانہ کی ناول نگاری خواتین کے روایتی ناولوں کے قبیل سے تعلق رکھتی ہے۔

محمد اجمل دانش (پ ۱۹۷۵ء) نے ’’الطاف گوہر حیات اور ادبی خدمات‘‘ کے عنوان سے ایم فل کا مقالہ ۲۰۱۰ء میں مکمل کیا۔ اس کی مدد سے ہماری رسائی ایک اہم شاعر، صحافی اور دانشور کی زندگی کے اہم گوشوں تک ہوتی ہے۔ ۲۰۱۸ء میں انھوں نے اردو کا زندانی ادب کے زیر عنوان پی ایچ ڈی کا مقالہ مکمل کیا۔

نوشین نصر اللہ (پ ۱۹۸۴ء) نے کلیات منیر نیازی کے فرہنگ کی تیاری کے ذریعے ایم فل کیایہ کام انھوں نے ڈاکٹر روش ندیم کی زیرنگرانی۲۰۰۸ء میں مکمل کیا۔

امجد علی (پ ۱۹۷۰ء) نے’’علامہ اقبال کے معاہدہ عمرانی کی عصری معنویت‘‘کے عنوان سے ۲۰۱۲ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے ایم فل کیا۔ یہ ایک خوبصورت مطالعہ ہے۔ ان کے نگران ڈاکٹر شفیق عجمی تھے۔

عرفان علی منیر نے اردو ادب کی ایک اہم مگرنسبتاً گم نام شخصیت سے متعارف کرایا اور ۲۰۱۲ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے ’’خالد محمود خاں کی ادبی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ‘‘ کے عنوان سے ایم فل کا مقالہ تحریر کیا ۔

شیخوپورہ اس لحاظ سے بھی ایک خوش قسمت شہر ہے کہ اس کی تاریخ کے حوالے سے تین کتب شائع ہو چکی ہیں۔ اس سلسلے کا اولین کام مقصود ناصر چوہدری (۱۹۲۴ء ۔ ۱۹۹۶ء) نے کیا۔ ان کی مرتبہ ’’تاریخ شیخوپورہ‘‘ ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی۔ ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین (پ ۱۹۳۶ء) اور خالد پرویز ملک ایڈووکیٹ (پ ۱۹۵۸ء) کی مرتبہ تاریخیں۱۹۹۹ء میں شائع ہوئیں۔ شیخوپورہ کی تاریخ سے متعلق یہ تینوں کتب شیخوپورہ کے تاریخی ، سیاسی، معاشرتی، ادبی اور ثقافتی ماضی کی وسعت اور گہرائی کا پتا دیتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات،(جلد اول) لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۳ء، ص۲۸۵
۲۔ مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر، (مرتب)، مقالاتِ حافظ محمود شیرانی (جلد اول) ،لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء، ص۲۸۷
۳۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، کلاسیکی ادب کا تحقیقی مطالعہ، لاہور: مکتبہ ادب جدید، ۱۹۶۵ء، ص ۱۰
۴۔ مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر، کہاں سے لاؤں انھیں، لاہور: اِلقا پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص۱۷۸
۵۔ اسلم فرخی ، ڈاکٹر خط بنام ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی، کراچی : ۱۰ اگست ۱۹۹۳ء، (مخزونہ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی)
۶۔ عطش درانی، ڈاکٹر، (تبصرہ)، حافظ محمود شیرانی کی علمی و ادبی خدمات مشمولہ ماہنامہ اخبار اردو، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، دسمبر ۱۹۹۳ء، ص ۱۲
۷۔ مشفق خواجہ ، خط بنام ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی کرچی: ۱۲ دسمبر ۱۹۹۵ء (مخزونہ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی)
۸۔ مختار الدین احمد، خط بنام ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی، علی گڑھ: ۲۹ دسمبر ۱۹۹۵ء (مخزونہ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی)
۹۔ مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اوران کی علمی و ادبی خدمات، (جلد دوم)، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۵ء، ص ۹۴۱
۱۰۔ ایضاً ، ص۱۰۰۳
۱۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، کالم مشمولہ ہفت روزہ''ندائے ملت'' ، جلد ۴۱، شمارہ ۲۱، لاہور: ۲۱ تا ۲۷ مئی ۲۰۰۹ء
۱۲۔ غلام مصطفی خان، ڈاکٹر (پیش لفظ)، تعلیقات خطبات گارساں دتاسی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۷ء، ص ۱
۱۳۔ سعادت سعید، ڈاکٹر، (دیباچہ)خان احمدحسین خان، فن اور شخصیت، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص ۷
۱۴۔ ایضاً ص ۸۔۹
۱۵۔ مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر، (فلیپ) ، اردو نثر میں طنز و مزاح، (طبع اول)، لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۰۴ء
۱۶۔ مشفق خواجہ، (فلیپ)، اردو نثر میں طنز و مزاح ، (طبع دوم)، لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۱۴ء
۱۷۔ انور سدید، ڈاکٹر، (تبصرہ)، اردو نثر میں طنز و مزاح مشمولہ روزنامہ نوائے وقت، لاہور: ۱۱ جولائی ۲۰۰۴ء
۱۸۔ رشید حسن خان ، خط بنام ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی مرقومہ ۳۱ جولائی ۲۰۰۵ء، مشمولہ اقبالیاتی مکاتیب، راولپنڈی: ۲۰۱۳ء ، ص ۲۱۷
۱۹۔ جواز جعفری، ڈاکٹر، اردو ادب یورپ اور امریکہ میں، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۲۰۱۰ء، ص۴۰
۲۰۔ عمارہ طارق، ڈاکٹر، اردو افسانے میں جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کے مظاہر، لاہور: مخزونہ پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۲ء، ص ۳۶۰